اردو کا امّی مرثیہ گو

سید صادق علی نقوی ''چھنگا صاحب'' حسینؔ جائسی مرحوم

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

دادھیالی سلسلۂ نسب:-

سید صادق علی حسینؔ بن میر حسن بن سید سجاد حسین (رئیسِ جائس) بن سید شیر علی بن سید مکرم علی بن سید محمد ولی بن سید حسین بن حبیب اللہ معروف بہ شیر علی بن عبدالجلیل بن سید شہاب الدین بن سید قاسم بن سید پیارہ حسینی بن سید سعد اللہ بن سید ماہرو بن سید شہاب الدین بن سید علی عرف سید بھیکہ بن سید جلال الدین بن سید عمر علی بن سید علیم الدین بن سید علم الدین بن اشرف الملک سید شرف الدین (حاکمِ جائس) بن نواب نجم الملک سید نجم الدین سبزواری (فاتح جائسی)۔

ننھیالی سلسلۂ نسب:-

سید صادق علی حسینؔ بن باقری بیگم بنت صغریٰ بیگم بنت مولانا سید صادق صاحب بن سلطان العلماء آقا السید محمد بن حضرت سید دلدار علی غفرانمآبؒ۔

ولادت:-

چھنگا صاحب حسینؔ ۱۲۹۱ھ کو اپنے نانا کے گھر سبزی منڈی لکھنؤ میں متولد ہوئے۔

تعلیم:-

آپ بالکل انپڑھ تھے، نام تک نہ لکھ سکتے تھے۔ مجلس میں مرثیہ خوانی کے وقت کوئی مرثیہ الٹا سیدھا ہاتھ میں لے لیتے تھے اور محض اپنی زبردست قوتِ حافظہ کی مدد سے پڑھتے تھے۔ حسینؔ ان چند شعراء میں تھے جن کو قدرت نے شاعر پیدا کیا تھا۔

شاعری:-

شاعری کی طرف آپ ۱۳۰۸ھ میں متوجہ ہوئے، آپ نے سب سے پہلے ایک نوحہ کہا پھر غزلیں کہنا شروع کیں پھر مرثیہ کہنے کا خیال پیدا ہوا تقریباً تیس سال مرثیہ گوئی کی۔ بچپن میں آپ کا قیام عراق میں تھا جس کے سبب سے آپ فارسی و عربی نہ صرف سمجھ لیتے تھے بلکہ بول بھی لیتے تھے۔

آپ کی شادی خانہ آبادی، نواب مولوی سید مہدی حسین ماہرؔ لکھنوی (بن سید علی حسین بن سید العلماء سید حسن علیین مکان بن حضرت غفرانمآبؒ) کی دختر نیک اختر سے ہوئی اور اس طرح ماہرؔ لکھنوی مرحوم آپ کے خسر اور سید محمد اصطفا صاحب خورشیدؔ لکھنوی آپ کے برادر نسبتی اور آپ لسان الشعراء سید مجاور حسین تمنّاؔ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کی خواہر عابدہ بیگم کی شادی ملک الشعراء سید بندہ کاظم جاویدؔ

لکھنوی (بن مولوی محمد جعفر امید لکھنوی بن منصف الدولہ شریف الملک مولانا سید محمد باقر بن سلطان العلماء بن غفرانمآبؒ) سے ہوئی ۔اس طرح چھنگا صاحب کے چاروں طرف علمی وادبی ماحول تھا جس میں ان کے فطری فن کو خوب ترقی کرنے کا موقع ہاتھ لگا۔

آپ کا ذریعۂ معاش کسی طرح کی محض ایک قلیل پینشن تھی۔ آخری عمر بڑی عسرت سے بسر کی لیکن خودداری کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ کا قیام پاٹے نالے پر تھا۔ مرتے وقت کثیر اولاد میں صرف دو بیٹیاں چھوڑیں۔

۱۲؍ربیع الاول ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۴۰ء کو ساٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور حسینیۂ غفرانمآبؒ کے صحن میں پیوند خاک ہوئے۔

حسینؔ صاحب جاوید لکھنوی کے شاگرد تھے۔

بحیثیت غزل گو حسینؔ کا شمار خوش گو شعراء میں تھا لیکن اصل میں وہ مرثیہ نگار تھے لہٰذا زیادہ زمانہ مرثیہ گوئی کے لئے وقف رہا۔ مرثیہ ہی وہ صنف ہے جس میں مرزا غالبؔ دہلوی مرحوم عاجز نظر آتے ہیں اور ان کے مرثیہ کے چند بند واسوخت بن کر رہ جاتے ہیں۔ جناب دولہا صاحب عروجؔ نے بھری مجلس میں حسینؔ صاحب کے متعلق فرمایا تھا کہ تم فخر ہندوستان ہو، اور اس میں ذرا شک وشبہہ نہیں کہ بحیثیت ایک امی مرثیہ گو کے وہ اردو اور ہندوستان کے لئے سرمایۂ افتخار تھے۔ چھنگا صاحب نے اردو کی طرح فارسی میں بھی شاعری کی ہے۔ مرحوم کے تقریباً چالیس مرثیے، غزلوں، سلاموں اور نوحوں کے مجموعے ساتھ ہی فارسی کلام بھی آپ کے برادر فرد سید مجاور حسین تمناؔ کے پاس محفوظ تھے جن کا اب حال نہیں معلوم۔

(تمناؔ بڑی خوبیوں کے مالک اور صاحب معلومات شاعر تھے ان کا صرف ایک شعر ملاحظہ فرما کر ان کی بلندیٔ فکر کے سلسلے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ ؎

کہیں سے تم کہیں پہونچو گے اشکوں کی روانی میں
تمناؔ گھر سے کیوں نکلے ہوا اس آفت کے پانی میں)

مہذب لکھنوی صاحب ''اذکار محن'' میں ''حیات حسین'' کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔ ''سید صادق علی عرف چھنگا صاحب حسینؔ مرحوم دیگر اصناف سخن میں بھی ماہر تھے لیکن مرثیے کی طرف ان کو خاص طور سے توجہ تھی۔''

حسینؔ مرحوم نہایت خوشگوار شاعر تھے مولوی بندہ کاظم صاحب جاویدؔ مرحوم ان کے بہنوئی تھے اور وہ انہیں سے اصلاح لیتے تھے۔ استاد کی شفقت اور اپنی طبیعت داری کی بدولت غزل اور مرثیہ دونوں میں مہارت حاصل ہوگئی، اختصار کے پیش نظر صرف ایک شعر غزل کا ملاحظہ ہو جس سے ان کے زور طبیعت کا اندازہ ہوجائے گا۔ ؎

کھینچا ہے جو ناوک تو سرک جاؤ ادھر سے
اب کون نہیں آگ نکلتی ہے جگر سے

غرض غزلیں بہت کہیں اور بہت خوب کہی ہیں لیکن مرثیہ غزل سے کہیں زیادہ مشکل چیز تھا مگر مرثیے بھی ایسے کہے کہ جب لوگ خود سنتے تھے تو بیحد محظوظ ہوتے تھے اور آج بھی ان کا مطالعہ تعجب ودلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

''اسرار محن'' میں مہذبؔ صاحب لکھتے ہیں کہ

''قدرت کا منظور نظر غیر معمولی انسان لکھنؤ کی سرزمین پر ایک ایسا باکمال گزرا ہے جس کا نام سید صادق علی عرف چھنگا تھا۔''

یہ بزرگ خاندان اجتہاد کی ایک فرد تھے مگر بالکل ان پڑھ نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا دوسروں سے اپنا مرثیہ لکھواتے تھے اور منبروں پر دوسروں کی مدد سے پڑھتے تھے۔

''لکھنؤ کے امی شعراء'' میں حیدر حسین فضاؔ لکھتے ہیں کہ ''راقم الحروف'' کے استاد مرحوم و مغفور علامہ پرتوؔ لکھنوی نے تحریر فرمایا ہیکہ ''ایک وقت لکھنؤ کا یہ ماحول تھا کہ سید صادق علی عرف چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی حرف شناس بھی نہ تھے لیکن ذہن و حافظہ بلا کا پایا تھا حسنِ فکر کی نسبت سے حسینؔ اس پر جناب جاویدؔ لکھنوی کی اصلاح وتربیت نے حسن کلام بھی پیدا کر کے مکمل حسین بنا دیا۔ مرثیہ خود کہتے تھے اور لکھتا کوئی دوسرا تھا، مجلس میں اپنا مرثیہ خود پڑھتے تھے میں خود ان کی مجلسوں میں شریک ہوا ہوں۔

حسینؔ منبر پر، مرثیہ ہاتھ میں، ایک شخص قریب منبر ایستادہ تھا اس نے شروع کا ایک لفظ چپکے سے بتایا اور حسینؔ اس سلسلے کے پورے بند ٹھاٹھ کے ساتھ پڑھ گئے، یوں ہی مرثیہ تمام ہوتا تھا۔ داد کا ہمہمہ بھی ہوتا تھا اور شور گریہ بھی۔ ان کے مرثیے کو دیکھکر کوئی یقین نہیں کرسکتا کہ یہ شخص قطعاً بے پڑھا تھا۔ نزاکت تخیل، شستگیٔ زبان، الفاظ کا استعمال برمحل، بندشوں میں روانی سبھی کچھ تو ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کلام ایک امی محض شاعر کا ہے۔

مہذبؔ صاحب فرماتے ہیں کہ ''جو کچھ کہا ایسا کہ بڑے بڑے خوشگویان کے دانت کھٹے کردیئے۔ اہلِ ذوق نے آج تک دنیا کی چیزیں دیکھی اور سنی ہوں گی مگر جاڑ انظماً نہ دیکھا ہوگا۔

پہلی ہستی ہے جس نے جاڑے کے متعلق ایسی بلند پروازی کی ہے اور وہ نازک خیالات جمع کئے جس کی داد کماحقہٗ نہیں دی جاسکتی۔

☆☆☆

نمونۂ کلام

ناظرین کرام امی شاعر کا زور بیان ملاحظہ فرمائیں

غزلیات

وقتِ زینت دور رکھا کر ستمگر آئینہ
حسنِ عالم سوز سے چٹکا ہے اکثر آئینہ

کھلا رہنے دو منھ میرا کفن سے کیوں چھپاتے ہو
سنا ہے وہ جنازے کے برابر ہو کے نکلیں گے

زخم کھولے ہیں اگر آنکھ تو بیزار نہ ہو
یہ نئی ضد کہ کوئی طالبِ دیدار نہ ہو

حال قیدی کا نہ ہو دیکھنے والا کوئی
آنکھ کھولے ہوئے گر روزنِ دیوار نہ ہو

کہتی ہے بلبل کہ دیکھئے کوئی حدّ شوقِ دید
شاخ پر کب ہے مرے تارِ نظر پر پھول ہے

میرے آنسو کی دو رنگی دیکھ کر کہتے ہیں وہ
آنکھ میں موتی ہے اور دامن میں گر کر پھول ہے

رباعی

منکر ہو جہاں میں اس کا کیوں کر کوئی
ڈھونڈے سے ملے نہ جس کا ہمسر کوئی

میزانِ خرد میں ہم نے تولا سو بار
لیکن نہ ملا نبیؐ سے بہتر کوئی

سلام

پڑے ہیں عرش کے ٹوٹے ستارے ضوفشاں ہوکر
زمینِ کربلا چمکے گی اب تو آسماں ہوکر

ہوائے تیغِ عباسؑ جری کا تیز دھارا ہے
پھریرے فوجِ اعدا کے اڑیں گے دھجیاں ہوکر

شبِ معراج ہے ہیں عاشق و معشوق میں باتیں
قیامت کر رہا ہے آج پردہ درمیاں ہوکر

کھلا بعدِ ولادت مرتضیٰؑ کے چشم و ابرو سے
یہی اک روز بت کعبے میں توڑیں گے جواں ہوکر

پیا ہے ناریوں کا خوں بڑھی ہے آب میں گرمی
ابھر آئے ہیں جوہر تیغ کے سب مچھلیاں ہوکر

گئے باغِ جناں میں ظہر تک جن جن کو جانا تھا
کھڑے ہیں شہ اکیلے یوسفِ بے کارواں ہوکر

چلے ہیں لے کے یہ کہتے ہوئے شبیرؑ خیمے سے
بعینہ مرتضیؑ ہوتے علی اصغرؑ جواں ہوکر

کہا شہ نے کہ اصغرؑ حجتِ ناطق کا پوتا ہے
سوال آب اعدا سے کرے گا بے زباں ہوکر

حسینؑ نقشِ قدم پر کاملوں کے پاؤں رکھتے ہو
چلے ہو پیچھے پیچھے تم بھی گردِ کارواں ہوکر

سلام

برا ہے حرص زر میں بندۂ اغیار ہوجانا
یہ کافی ہے غلامِ حیدر کرار ہوجانا

صراط اک پل ہے اے ایمان والو خوف کیا اس کا
علیؑ سے ناخدا کا نام لے کر پار ہوجانا

کہا بنت علیؑ نے دے کے رخصت دونوں بیٹوں کو
وغا میں تم علی تم جعفر طیار ہوجانا

لڑائی میں نصیحت عون کی تھی یہ محمد سے
جہاں گھرنا وہاں چلتی ہوئی تلوار ہو جانا

گلے پر تیر کھا کر مسکرائے مرحبا اصغرؑ
یہ سن اور یوں فدائے سید ابرار ہوجانا

نکیرین آچکے ہیں مرتضیؑ بھی آنے والے ہیں
ذرا قبر حسینؑ اب مطلعِ انوار ہوجانا

سلام

کمسنی میں کیا جری تھے زینبِ مضطر کے لال
ہاتھ سے تیغیں نہ چھوڑیں دم میں جب تک دم رہا

فاطمہؑ تھیں سب کے آگے بال بکھرائے ہوئے
تشنہ کاموں کا بپا کوثر پہ یوں ماتم رہا

کانپتے ہاتھوں سے ناوک کھینچ کر شاہِ ہدیٰ
دل سے لپٹائے رہے اصغرؑ میں جب تک دم رہا

کون کہتا ہے کہ لاشیں رن میں عریاں ہوگئیں
خوں کفن بن کر شہیدوں کے تنوں پر جم رہا

☆☆☆

روزِ عاشورہ کی گرمی کا تھا شب تک یہ اثر
خاک کے ذرے چراغِ قبر اصغرؑ ہوگئے

چشمِ عباسؑ جری سے جو گرے تھے بحر میں
اشکِ وہ بطن صدف میں جا کے گوہر ہوگئے

مرثیہ کے چند بند
جن میں شمشیرِ آبدار کی شرر باریاں دکھائی گئی ہیں

تیغیں کھنچنے لگیں ترکش سے نکلنے لگے تیر سپریں ہتواس کے تیار ہوئے سب بے پیر
نیزے اونچے ہوئے تادور بیاباں میں کثیر چمکے چار آئینے وہ صاف جو تھے برق نظیر

ہرطرف گردِ بیابان بلا اٹھی ہے
خوں کا مینہ برسے گا ڈھالوں کی گھٹا اٹھی ہے

یک بیک غل ہوا عباسؑ کی تلوار کھنچی میان سے تیغ پئے لشکرِ کفار کھنچی
روشنی ہو گئی جب صاعقہ کردار کھنچی دل لرزنے لگے وہ تیغِ شرربار کھنچی

فیصلہ کرنے کو اب بیچ میں کیوں ڈھال پڑے
اس کی جھنکار سے چار آئینوں میں بال پڑے

حسن حوروں میں کہاں یہ جو اسے حور کہوں خیرہ ہوتی ہے نظر پاس کہوں دور کہوں
ہو جو کاٹھی میں تو برقِ شبِ دیجور کہوں دل یہ کہتا ہے اسے شمعِ سرطور کہوں

بے خبر کو بھی تجلی کی خبر ہوتی ہے
خطِ ابیض ہوا ظاہر کہ سحر ہوتی ہے

جوہروں سے ہے یہ پیدا کہ ہے میناکاری اور قبضہ پہ جواہر کی سجاوٹ ساری
یا پری نکلی ہے پوشاک پہن کر بھاری روشنی اس کی ہو گر رات بھی ہو اندھیاری

یوں ہی آثارِ سحر ہوتے ہی اختر ڈوبے
جیسے آب دم شمشیر میں جوہر ڈوبے

تیغ آیت ہے تو ہیں اس کے معانی جوہر　　آگ بنتے ہیں کبھی اور کبھی پانی جوہر
ہیں کہیں ہلکے گلابی کہیں دھانی جوہر　　آب میں اپنی دکھاتے ہیں جوانی جوہر

خوبیاں جوہروں کی صاف نظر آئی ہیں
مچھلیاں تیغ کے پانی پہ ابھر آئی ہیں

موسم سرما کی تصویر کشی

فصل ایسی ہے کہ سردی کا زمانہ آخر　　کہرا پڑنے سے نہیں دھوپ بھی ہوتی ظاہر
برف باری سے نشیمن میں ہیں پنہاں طائر　　زمزمہ کرنے سے بلبل کی زباں ہے قاصر

دھیان آتا ہے تو بلبل کے جگر کانپتے ہیں
ایسی ٹھنڈی ہے ہوا جس سے شجر کانپتے ہیں

برف باری سے بیاباں کا ہے سبزہ پامال　　پالا کھانے سے ہیں ٹھٹھرے ہوئے جنگل میں
اوس میں بھیگ کے شبنم کا برا ہے احوال　　نہال پھل ہے جو باغ میں اس پہ بھی فالج کا خیال

گر بشر کھائیں ہوا واں کی تو ہوں تن نیلے
آج تک ہیں اسی دن سے لب سوسن نیلے

اوس پڑنے سے ہے بھیگی ہوئی صحرا کی زمیں　　طائروں کو بھی برودت سے کہیں چین نہیں
انقلاب ایسا نہ آیا ہے تہہ چرخ بریں　　بلبلیں بیٹھی ہیں لالے کی انگیٹھی کے قریں

بال و پر اوس سے بھیگے ہوں تو راحت کیسی
آتشِ گل میں برودت ہے حرارت کیسی

حکماء کو بھی ہے اب مہر کی حدت میں کلام دھوپ بھی چاندنی کی طرح سے دیتی نہیں کام

بر د اطراف بیاباں کی زمیں کو ہے تمام سر کھلے رہتے ہیں فواروں کو کیوں ہو نہ زکام

آب میں تھی جو روانی وہ تھمی جاتی ہے

دھار ہر ایک برودت سے جمی جاتی ہے

جام بلّور بعینہ ہوا ہر ایک حباب مچھلیاں پانی کے جمنے سے پھنسی ہیں تہِ آب

ہیں شکنجے میں تو جنبش نہیں کھاتے گرداب دانت بجتے ہیں گہر کے نہیں سردی کی جو تاب

جو حباب آب میں ہے غنچۂ سربستہ ہے

اس پہ کیا آج تلک آب گہر بستہ ہے

کیا بیاں کیجئے اللہ رے سردی کا اثر وہی ٹھٹھرے ہوئے تھے جو کہ لب جو تھے شجر

ہے حبابوں کا یہ عالم کہ اٹھاتے نہیں سر چادرِ آب میں لپٹے ہوئے بے حس ہیں مگر

پانی جم جانے سے موجہ تو کہاں اٹھتا ہے

منھ سے گرداب کے ہر بار دھواں اٹھتا ہے

برف اس حد کی گری ہے کہ وہ صحرا ہے سفید کوہِ اسود تھا جو پہلے وہی سارا ہے سفید

منزلوں دیکھئے میدان میں سبزا ہے سفید سنگِ مرمر کی طرح سامنے دریا ہے سفید

پانی جمنے سے سمندر میں کہاں جوش ہے آج

جو شجر بن میں ہے۔گویا وہ کفن پوش ہے آج